ڈاکٹر ظفر الاسلام

علمِ قرآن

عہدِ سلطنت کے ہندوستان میں (۲)

(بشکریہ علوم القرآن انڈیا)

۱۴ ویں صدی کے ہندوستان میں تغلق سلاطین کی معارف پروری اور معاصر علمار کی توجہ سے علم تفسیر و دیگر مذہبی علوم سے جو دلچسپی بڑھ گئی تھی وہ اس دور کے خاتمہ پر انتشار کے حالات میں یقیناً کچھ متاثر ہوئی لیکن بعد میں لودی سلاطین بالخصوص سلطان سکندر لودی (۱۴۹۸-۱۵۱۷ء) کی علم دوستی اور علوم و فنون کی اشاعت میں ان کی رغبت سے علمی سرگرمیاں بحال ہوئیں اور مذہبی علوم کی ترقی کے مواقع پھر پیدا ہوئے اس دور میں حدیث و فقہ کے ساتھ تفسیر کے میدان میں علمار کی دلچسپیاں بڑھیں جیسا کہ معاصر مآخذ سے اس کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ ۱۵ ویں صدی کے نصف اول میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۱۴۴۵ء) نے اپنی علمی فضیلت اور تدریسی و تصنیفی خدمات کے لیے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ ان کا مولد دولت آباد تھا۔ تعلیم و تربیت کی تکمیل دہلی میں ہوئی اور ان کی علمی سرگرمیاں جونپور میں جاری ہوئیں جو اس وقت شرقی سلطنت کا پایہ تخت اور علم و فضل کا مرکز تھا۔ سلطان ابراہیم شرقی (۱۴۰۱-۱۴۴۰ء) ان کے تبحرِ علمی سے بہت متاثر تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے انھیں "ملک العلماء" کے خطاب سے نوازا اور ان کی قدر و منزلت میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ انھوں نے مختلف موضوعات پر تالیفی کارنامے انجام دیے اور ایک تفسیر بھی مرتب کی جس کا مفصل ذکر بعد میں آئے گا۔ قاضی شہاب الدین کے ہم عصروں میں شیخ حسام الدین مانک پوری (متوفی ۱۴۴۹ء) فہم قرآن کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ اس عہد کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور شرعی علوم سے مزین تھے، وہ قرآن میں غور و فکر کرتے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ اس سلسلہ میں ان کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ تفسیر مدارک اپنے پاس رکھتے تھے اور جب بھی کسی آیت کے سمجھنے میں دشواری محسوس ہوتی تو وہ اس تفسیر سے رجوع کرتے مزید برآں وہ بار بار اس نکتہ پر زور دیتے

© rasailojaraid.co

تھے کہ معنی و مطلب کی جانکاری کے ساتھ قرآن کی تلاوت میں ایک خاص لطف ملتا ہے۔[۱۰]
مشائخ کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے عالم جو سکندر لودی کے ہم عصر اور ۱۵ویں صدی میں علم تفسیر میں دلچسپی اور تفسیری کتب کے درس کے لیے مشہور تھے وہ خواجہ حسین ناگوری (متوفی ۱۴۹۶ء) تھے۔ یہ شیخ حمید الدین ناگوری کی خاندان سے تھے اور بقول شیخ عبدالحق محدث "جامع شریعت و طریقت" تھے۔ مروجہ علوم کی تکمیل کے بعد اپنے وطن ناگور میں ارشاد و تلقین اور علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف رہے۔ ان کے روزانہ کے معمولات میں تفسیر مدارک کا درس بھی شامل تھا جس کا وہ خاص اہتمام فرماتے تھے۔ ان کی تصنیفی یادگار میں ایک تفسیر بھی ہے جو بعد میں زیر بحث آئیگی۔ اس سے تفسیر میں ان کی گہری دلچسپی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔[۱۱] خواجہ حسین ناگوری کے شاگردوں میں قاضی احمد مجد نارنولوی (متوفی ۱۵۲۱ء) نے بھی اپنے استاد کے مثل قرآنی علوم سے گہرا ربط قائم کیا اور درس و تدریس میں تفسیر پر خصوصی توجہ دی، تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق یہ امام محمد شیبانیؒ کی اولاد میں سے تھے، نارنول میں ان کی پیدائش ہوئی اور عمر کا بیشتر حصہ اجمیر میں بسر ہوا۔ اجمیر میں تقریباً ستر سال قیام کے دوران ان کا خاص مشغلہ دینی و مذہبی کتب کا پڑھنا پڑھانا تھا۔ وہ روزانہ عصر سے مغرب تک تفسیر مدارک کا درس دیتے تھے جبکہ چاشت تا ظہر کے اوقات دیگر درسیات کے لیے وقف ہوتے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ ان کے درس تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمارے مآخذ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں تفسیر مدارک کا درس ان کے مشائخ کے معمولات میں بھی شامل تھا (ایں وظیفہ تفسیر مدارک طریقہ سلوک مشائخ ایشاں است[۱۲]) بہر حال ان تفصیلات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ عہد سلطنت میں علماء و مشائخ تفسیروں کے مطالعہ کا ذوق رکھتے تھے اور درس و تدریس کے ذریعہ فہم قرآن کی استعداد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے وہیں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ معاصر علماء (بالخصوص صوفیوں) کے حلقہ میں کشاف کے بعد مدارک کو مقبولیت و اہمیت حاصل تھی۔

عہد سلطنت میں قرآنی علوم سے رغبت اور علم تفسیر میں دلچسپی صرف مروجہ کتب کے پڑھنے پڑھانے اور تفسیری درسیات کے سمجھنے سمجھانے تک محدود نہ تھی بلکہ اس علم کے ماہرین نے اسے تصنیف و تالیف کا بھی موضوع بنایا اور مروجہ درسیات پر شروح و حواشی لکھنے کے علاوہ قرآن کی ترجمانی و تشریح میں مستقل تصنیفات بھی پیش کیں

ان تفسیری تخلیقات کے لیے عربی اور فارسی دونوں ہی زبانوں کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا گیا۔ آیات قرآنی کی تفسیر کے لیے جو انداز بیان اختیار کیا گیا وہ بھی تنوع و ندرت سے بھرپور تھا۔ کسی مصنف نے فقہی مسائل کی وضاحت پر زور دیا تو کسی نے اس کی ترجمانی میں صوفیانہ رنگ کا امتزاج کیا، بعض نے قرآنی الفاظ کی لغوی تحقیق اور اس کے ادبی محاسن نمایاں کرنے پر توجہ دی تو کچھ ایسے ماہرین بھی تھے کہ جنھوں نے نظم قرآن اور ربط آیات کے پہلو پر زیادہ زور صرف کیا، ہندوستان میں علم تفسیر میں دلچسپی جیسا کہ اوپر کے بیانات سے ظاہر ہوا عہد سلطنت کی ابتدا ہی سے ملتی ہے لیکن اس میدان میں تصنیفی سرگرمیوں کا ثبوت ۸ ویں صدی ہجری یا ۱۴ ویں صدی عیسوی سے فراہم ہوتا ہے۔ اس دور کی اولین تفسیروں میں غرایب القرآن و رغائب الفرقان شمار کی جاسکتی ہے جس کے بعض اجزا کی تصنیف ہندوستان سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے مولف حسن بن محمد تھے جو نظام نیشاپوری کے نام سے معروف تھے۔ جیسا کہ نسبت سے واضح ہوتا ہے ان کا اصل وطن نیشاپور (ایران) تھا جہاں انھوں نے اس تفسیر کی ابتدا کی لیکن اس تفسیر میں سورہ نساء کے خاتمہ پر جو عبارت (کتب المصنف فی نسخۃ علقۃ مولفہ الحسن بن محمد حسن المشتہر بنظام نیشاپوری ببلاد الہند فی دار مملکتہا المدعو بدولت آبادی فی اوائل صفر سنہ ۷۳۰ھ)[43] درج ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مولف محمد بن تغلق کے زمانہ میں ہندوستان منتقل ہوئے اور اپنی تفسیر کے اس حصہ کی تکمیل انھوں نے یہیں اور غالباً شہر دولت آباد میں سنہ ۷۳۰ھ (۱۳۲۹ء) میں کی۔ اس تفسیر کے سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ایران کے مطبوعہ نسخوں میں اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے مطابق[44] بعض مخطوطات میں بھی آیات کا ترجمہ فارسی میں بھی درج ہے جبکہ پوری تفسیر عربی میں ہے۔ لیکن تفسیر طبری کے حاشیہ پر مصر سے سنہ ۱۳۲۱ھ میں اس کا جو نسخہ چھپا ہے اس میں کہیں فارسی ترجمہ نہیں ملتا۔ یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس تفسیر کا آخری حصہ سنہ ۷۲۸ھ میں لکھا گیا جبکہ اس کے شروع کے اجزا سنہ ۷۳۰ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچے جیسا کہ مطبوعہ نسخوں میں خاتمہ کی عبارت میں درج ہے۔[45] اس میں شبہ نہیں کہ غرائب القرآن و رغائب الفرقان ایک عظیم تفسیری کارنامہ ہے لیکن اس کی اصلیت بالخصوص ہندوستان میں اس کی تکمیل کا مسئلہ اور مؤلف کے حالات اب بھی تحقیق طلب ہیں۔ عہد سلطنت کی تفسیروں میں تفسیر سراج الہندی اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس کے مصنف ابوحفص عمر بن اسحاق سراج الہندی (متوفی ۷۷۳ھ) نظام نیشاپوری کے برعکس ہندی الاصل تھے اور تحصیل علم کے بعد مصر میں سکونت اختیار کی اور

© rasailojaraid.com

فقہی علوم میں مہارت کی وجہ سے قاہرہ کے قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے، ان کے اساتذہ میں وجیہ الدین دہلوی، سراج الدین ثقفی دہلوی اور رکن الدین بدایونی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں جن میں ایک عربی تفسیر بھی شامل ہے[٤٦] خالص ہندوستانی تفسیروں میں میرے علم کے مطابق لطائف التفسیر کا نام سرفہرست آتا ہے اس کے مصنف شیخ نظام الدین اولیاء کے خواہر زادہ قاسم بن عمر دہلوی تھے۔ ان کی نشو ونما دہلی میں ہوئی اور مروجہ درسیات بشمولیت کشاف کی تکمیل مولانا جلال الدین دہلوی کے ہاتھوں ہوئی سید محمد کرمانی نے لطائف التفسیر کے دیباچہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ صاحب تفسیر کو قرآنی علوم سے خاص رغبت تھی اور انھوں نے متعدد عربی وفارسی تفسیروں کے مطالعہ کے بعد ایسی تفسیر مرتب کرنے کا ارادہ کیا جو قرآن کے اسرار ونکات کی وضاحت پر مشتمل ہو اور عوام وخواص دونوں کے لیے مفید ہو۔ خود سید کرمانی کے الفاظ میں "خواست تا مجموعہ نویسد کہ متضمن معانی غریب وشامل لطائف عامہ تفسیر باشد تا منافع بخاص وعام رسد وبمطالع آں بر اسرار قرآں ودقایق فرقان مطلع گردند ونام ایں تفسیر لطائف تفسیر کردہ[٤٧]" اُس وقت مروجہ درسیات پر شروح وحواشی لکھنے کا جو رواج تھا اس سے تفسیری کتب بھی مستثنیٰ نہ تھیں اُس عہد میں کم از کم کشاف کی ایک شرح لکھے جانے کا ثبوت ملتا ہے جو "کشف الکشاف" کے نام سے معروف ہوئی، اس کے مولف مخلص بن عبداللہ دہلوی (متوفی ۱۳۶۳ء) تھے، تفسیر وفقہ دونوں ان کی دلچسپی کے خاص موضوع تھے۔ ہدایہ کی شرح بھی لکھنی شروع کی لیکن اسے مکمل نہ کر سکے، عام طور پر تذکرہ نگاروں نے ان کی شرح ہدایہ کا ذکر کیا ہے اور کشف الکشاف سے خاموشی اختیار کی ہے[٤٨] البتہ صاحب نزہتہ الخواطر نے مجد الدین فیروز آبادی (الالطاف الخفیہ فی اشراف الحنفیہ) کے حوالہ سے ان کی تالیفات میں کشف الکشاف کو بھی شامل کیا ہے[٤٩] ۱۴ ویں صدی عیسوی میں لکھی جانے والی تفسیروں میں تفسیر تاتارخانی یقیناً ایک خصوصی اہمیت کی حامل ہے یہ عہد فیروز شاہی کے ممتاز ومشہور وزیر امیر تاتارخاں کی ایما پر مرتب کی گئی، سلطنت کے ایک اہم رکن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ علم کے دلدادہ تھے اور اس کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لیتے تھے، علماء کی مجلسیں منعقد کرتے اور ان سے تبادلہ خیال کرتے۔ تفسیر تاتارخانی اور فتاوای تاتارخانی جوان کے حکم سے مرتب کیے گئے ان کی علمی دلچسپی کے خاص مظہر ہیں، تفسیر مرتب کرنے کے لیے جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا انھوں نے علماء کی ایک مجلس تشکیل دی اور اسے ہدایت دی کہ تفسیر کا

.com
om

ایک ایسا جامع نسخہ تیار کریں جو گزشتہ تفاسیر کا نچوڑ ہو، معاصر مورخ عفیف کے بیان سے تاتار خاں کے عظیم منصوبہ پر بخوبی روشنی پڑتی ہے "تاتار خاں خواست کہ تفسیری مفصل مرتب کند تمام تفاسیر را جمع کنانیدہ جماعہ علماء را حاضر گردانیدہ ۔ در ہر آیتی وکلمہ آں قدر مفسران گزشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند تاتار خاں آں جمیع اختلاف در تفسیر خویش نوشتہ بود در آں تالیف بدل وجاں در نشست و در ہر اختلاف حوالہ بداں صنف تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر دریک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ آں تفسیر را تفسیر تاتار خانی نام داشتہ[۴۹] اسے یقیناً ایک تفسیری کارنامہ کہا جاسکتا ہے گرچہ یہ دستیاب نہیں کہ اس کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا جاسکے۔

۱۵ ویں صدی عیسوی کی اولین تفسیروں میں "نور بخشیہ" شامل ہے جو ایک صوفی عالم سید اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی ۱۴۰۵ء) کی تالیف کردہ ہے مولف کا مولد شہر سمنان (ایران) ہے ۔ وہ سیر وسیاحت کا شوق رکھتے تھے ۔ محمد تغلق کے دور حکومت میں وارد ہند ہوئے اور علم کی طلب میں یہاں بھی سرگرداں رہے، متعدد علماء ومشائخ کی صحبت اختیار کی جن میں سید جلال الدین حسین بخاری، شیخ علاء الدین عمر لاہوری اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی قابل ذکر ہیں، آخر عمر میں کچھوچھہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ان کی وفات ہوئی ۔ یہ ذکر اہمیت سے خالی نہیں کہ مستقل سفر اور نقل مکانی کے باوجود سید سمنانی نے بہت سی تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں جو تفسیر وفقہ تصوف وکلام جیسے مختلف النوع مباحث سے تعلق رکھتی ہیں[۵۰]

صاحب نور بخشیہ کے ہمعصروں میں مولانا خواجگی (متوفی ۱۴۰۶ء) سے ایک فارسی تفسیر بحر المعانی منسوب کی جاتی ہے[۵۱] گرچہ ان کے تذکروں میں عام طور پر اس تفسیر کا حوالہ نہیں ملتا لیکن معاصر وغیر معاصر مآخذ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ وہ علوم دینیہ پر عبور رکھتے تھے ان کے اساتذہ میں معین الدین عمرانی اور شیخ نصیر الدین محمود اودھی جیسے جلیل القدر علماء شامل تھے اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے والوں میں مفسر قرآن وممتاز فقیہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی بھی تھے ایک طویل عرصہ تک انھوں نے دہلی میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی اور مذہبی علوم وفنون کی اشاعت میں حصہ لیا ۔ آخر عمر میں تیمور کے حملہ سے قبل قاضی شہاب الدین کے ہمراہ کالپی (جالون) منتقل ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی[۵۲] ان کی صلاحیت وعلمی خدمات کی روشنی میں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے علم تفسیر میں دلچسپی لی ہو جبکہ ان کے اساتذہ اور شاگرد خاص کے بارے میں اس کا قطعی ثبوت ملتا ہے ۔ بہر حال یہ ایک مختصر تفسیر ہے جس میں علم کلام کے مسائل بھی جا بجا زیر بحث آئے ہیں اور بعض جدید

© rasailojaraid.com

دانشوروں کے بقول یہ فضل بن حسن طبرسی (متوفی ۱۱۵۳ء) کی مجمع البیان کا خلاصہ ہے[۵۴]۔ اس عہد میں تصوف کے رنگ میں یا متصوفانہ انداز پر جو تفسیریں لکھی گئیں ان میں سید محمد بن یوسف الحسنی معروف بہ گیسو دراز (متوفی ۱۴۲۲ء) کی تفسیر القرآن الکریم خصوصیت سے قابل ذکر ہے[۵۵]۔ سید محمد گیسو دراز چشتی سلسلہ کے مشہور مشائخ اور اس عہد کے نامور علما میں سے تھے، کم سنی میں اپنے والد کے ساتھ محمد تغلق کے زمانہ میں دولت آباد منتقل ہو گئے تھے، چند سالوں کے بعد دہلی واپس ہوئے اور مولانا شرف الدین کیتھلی، شیخ نصیر الدین محمود اور قاضی عبد المقتدر[۵۶] سے علوم متداولہ کی تکمیل کی اپنے مرشد شیخ نصیر الدین محمود کی وفات کے بعد دکن چلے گئے اور وہیں بمقام گلبرگہ ان کا انتقال ہوا۔ دینی علوم بالخصوص تفسیر و فقہ میں انھیں مہارت حاصل تھی درس و تدریس کے علاوہ تصنیفی و تالیفی خدمات بھی انجام دیں اس اعتبار سے وہ ہمعصر مشائخ میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے علوم کی مختلف شاخوں (تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ادب وغیرہ) کو اپنی تصنیفات کا موضوع بنایا اور کثرت تصانیف کے لیے مشہور ہوئے قرآنی علوم میں انھوں نے خصوصی دلچسپی دکھائی فن تفسیر سے متعلق کم از کم ان کی تین کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ مذکورہ بالا تفسیر کے علاوہ انھوں نے کشاف کے طرز پر ایک تفسیر مرتب کی مزید براں کشاف کے پانچ اجزا پر حواشی بھی ان کی تالیفات میں شامل ہیں[۵۷]۔ شیخ علی بن احمد مہائمی (متوفی ۱۴۳۲ء) کی تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان (جو تفسیر رحمانی یا تفسیر مہائمی کے نام سے بھی معروف ہے) اس اعتبار سے امتیازی خصوصیت کی حامل ہے کہ یہ ہندوستان کی پہلی تفسیر ہے جو قرآن کی ترجمانی و تشریح میں ربط آیات کے پہلو کو نمایاں کرتی ہے اور نظم قرآن سے بحث کرتی ہے۔ شیخ علی مہائمی مہائم (گجرات) کے متوطن اور ۱۴ ویں و ۱۵ ویں صدی عیسوی کے ہندوستانی مشاہیر میں سے تھے[۵۸]۔ فن تفسیر و حدیث و فقہ میں خصوصی دستگاہ رکھتے تھے اور تصوف کی دنیا میں ابن عربی کے خیالات سے متاثر اور وحدت الوجودی فلسفہ کے قائل تھے۔ مذہبی علوم میں فن تفسیر ان کی توجہ کا مرکز رہا، فقہ و تصوف وغیرہ کے موضوع پر بھی انھوں نے کتابیں لکھیں لیکن ان کی عظمت و شہرت اسی تفسیر کی مرہون منت ہے۔ عہد وسطی کے ہندوستان کی بعض اور تفسیروں (مثلاً حسن محمد بن احمد میاں جیو کی تفسیر محمدی اور شیخ مبارک ناگوری کی منبع عیون المعانی) میں ربط آیات کی وضاحت ملتی ہے لیکن علی مہائمی کی تفسیر میں جس خوش اسلوبی اور مہارت سے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ دوسروں کے

یہاں مفقود ہے۔ جدید ہندوستان کے عظیم مفسر اور نظم قرآن کے زبردست ترجمان علامہ حمیدالدین فراہی کے یہاں بھی تفسیر مہائمی کی اس خصوصیت کا اعتراف ملتا ہے[۵۹]۔ ربط آیات کے علاوہ اس تفسیر کا ایک امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ ہر سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر اس سورہ کے خاص مضمون کی روشنی میں بیان کی گئی ہے[۶۰]۔

اس میں شبہ نہیں کہ ۱۳ ویں و ۱۴ ویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں تفسیر کے میدان میں نہایت اہم و قابل قدر تصنیفی کارنامے انجام پائے جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہوا تاہم عہد سلطنت کے آخری حصے (۱۵ ویں صدی اور ۱۶ ویں صدی کے ربع) میں جو تفسیری تخلیقات ظہور میں آئیں انھیں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس دور کی تفسیروں میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی (متوفی ۱۴۴۵ء) کی تفسیر بحر مواج سب سے اہم ہے جسے عہد سلطنت کی تمام فارسی تفسیروں کا شاہکار کہنا بیجا نہ ہوگا[۶۱]۔ اس کے مولف جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا تفسیر و فقہ میں مہارت اور علمی کارناموں کے لیے ممتاز تھے۔ یہ ایک بسیط و مفصل تفسیر ہے جس کا اندازہ اس کی تین ضخیم جلدوں کو دیکھ کر ہوتا ہے[۶۲]۔ یہ تفسیر سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے نام معنون ہے مولف کے اہم تفسیری ماخذ تفسیر کبیر، کشاف، تفسیر ابو اللیث سمرقندی اور مدارک التنزیل ہیں۔ صاحب تفسیر نے قرآن کے معانی و مطالب کی وضاحت کرتے وقت لغوی و نحوی بحثوں پر خاص زور صرف کیا ہے۔ مزید براں مختلف آیات سے جو فقہی مسائل اخذ ہوتے ہیں ان کی نشاندہی بھی کی ہے۔ مختصر یہ کہ بحر مواج زبان و بیان کی خوبیوں سے معمور ہے، گلزار ابرار کے مصنف محمد غوثی شطاری نے اسے کشاف کے ہم پایہ قرار دیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہونے کی وجہ سے اسے تفسیری درسیات میں شمولیت نہ مل سکی جس کی وہ بجا طور پر مستحق تھی۔ غوثی شطاری کے الفاظ ہیں "ازاں جملہ تفسیر بحر مواج است چوں فارسی زبان است از اعداد کتب متداولہ درس نگشت ہماں معانی اگر بتازی عبارت یا رمی شد نوید ہمتائی کشاف بد النشوران جہاں می داد"[۶۳]۔ ۱۵ ویں صدی کے نصف آخر یا لودی سلاطین کے دور میں لکھی جانے والی تفسیروں میں "تفسیر نور النبی" قابل ذکر ہے۔ اس کے مولف خواجہ حسین ناگوری (متوفی ۱۴۹۵ء) ہیں جن کا قرآنیات سے لگاؤ اور تفسیر مدارک کے درس کا التزام پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ خواجہ حسین نے قرآن کے ہر جزو کی تفسیر علیحدہ لکھتے ہوئے اپنے مکمل مجموعۂ تفسیر کو تیس حصوں میں منقسم کیا ہے۔ قرآنی آیات کی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت

© rasailojaraid.com

لغوی ولسانیاتی تحقیق اور انداز بیان کی سادگی اس تفسیر کی امتیازی خصوصیات ہیں[۶۴] مصنف تذکرہ علماء ہند کے الفاظ میں " از تصانیف او تفسیر نور النبی است کہ ہر جزوی از قرآن مجلدی جدا نوشتہ وحل تراکیب و بیان معنی قرآن ازانچہ در تفسیر ہا می باشد بہ تفصیل وتسہیل تمام تر بیان فرمودہ"[۶۵] اس طرح یہ تفسیر عام فہم ہونے کی وجہ سے کافی اہمیت رکھتی ہے۔ عہد زیر بحث کی آخری تفسیر مولفہ شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری (متوفی ۱۵۲۵ء) اپنی نوعیت میں بالکل منفرد ہے۔ مولف سید جلال بخاری ملتانی کی اولاد میں سے تھے ان کی پیدائش اور تعلیم و تربیت ملتان میں ہوئی انھوں نے متعدد بار حجاز مقدس کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں ملتان سے دہلی منتقل ہوئے جہاں اس علم دوست سلطان نے ان کی کافی قدر دانی کی۔ انھوں نے اپنی عربی تفسیر ہیں ۱۵۰۹ء میں مکمل کی۔ اس تفسیر کی ندرت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و منقبت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح صاحب تفسیر کے خیال میں پورا قرآن مجید نعت نبوی سے عبارت ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حاجی عبدالوہاب کی اس تعبیری ندرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں "شیخ حاجی عبدالوہاب را تفسیری ست و بسیارے از دقائق عشق و اسرار محبت درانجا درج کردہ است غالباً وقوع آں در غلبہ حال واستغراق وقت بودہ است"[۶۶] اس میں شبہ نہیں کہ عشق نبوی سے مغلوب ہو کر اس نوع کی تفسیر لکھی گئی ہو لیکن اس کوشش میں قرآنی تعبیرات میں جو کھینچا تانی کی گئی ہوگی اور آیات کو مخصوص معنی پہنانے کے لیے جو نرالا انداز اختیار کیا گیا ہوگا ظاہر ہے اسے مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ آخر میں تفسیر مدارک پر مولانا الہ داد جونپوری (متوفی ۱۵۲۶ء) کے حواشی کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جو عہد سلطنت کے اختتامی حصہ کی ایک اور تالیفی یادگار ہے۔ حاشیہ نگار جونپور کے مشاہیر اور اپنے عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ دینی علوم کی اشاعت میں انھوں نے خاص دلچسپی لی جس کے واضح ثبوت ان کی تدریسی خدمات اور تصنیفی و تالیفی مشاغل سے ملتے ہیں۔ ان کے علمی کارناموں کا ایک اہم حصہ درسیات کی مروجہ کتابوں پر شروح و حواشی لکھنا تھا[۶۷] تفسیری درسیات میں انھوں نے مدارک التنزیل کو اپنے حواشی کے لیے منتخب کیا جسے نہ صرف اس وقت تفسیر کے نصاب میں ایک اہم مقام حاصل تھا بلکہ علماء و مشائخ کے حلقوں میں ذاتی مطالعہ اور درس کے لیے بھی مقبول تھی جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی، یہ حاشیہ[۶۸] اس اعتبار سے کافی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ

مدارک کے مشکل مباحث کی وضاحت کرنے اور ظاہری ومعنوی دونوں لحاظ سے اس تفسیر کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں متعدد احادیث کے متون کا بھی اضافہ کیا گیا ہے جن کی جانب اصل تفسیر میں محض اشارہ ہے، مزید براں سورتوں کے شان نزول اور متعلقہ واقعات کی تفصیل بھی اس میں ملتی ہے۔ مولف نے معتبر تفسیری مآخذ کے حوالے سے اپنے بیانات کو مدلل بھی کیا ہے۔ ان تمام باتوں سے فن تفسیر میں محشی کی مہارت اور ان کے حاشیہ مدارک کی افادیت عیاں ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں یہ حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ عہد سلطنت میں علم قرآن میں دلچسپی اور اس کی اہمیت دوسرے علوم کی بہ نسبت کم نہ تھی۔ اس وقت تعلیم کے مختلف مدارج میں جو نصاب رائج تھا اس میں علوم قرانیہ کو نہ صرف ایک نمایاں مقام حاصل تھا بلکہ علماء و مشائخ کی انفرادی مجلسوں میں قرآنی حقائق و معارف پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی اور تفسیری کتب کی مدد سے قرآنی آیات کی وضاحت بھی کی جاتی تھی جیسا کہ مآخذ سے اس کے شواہد پیش کیے گئے۔ مزید براں اوپر کی تفصیلات سے یہ ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کہ عہد زیر بحث میں ایسے علماء کی کمی نہ تھی جن کی دلچسپی کا خاص محور علم قرآن تھا اور جو فن تفسیر میں مہارت تامہ کے مالک تھے ان میں سے کچھ نے درس و تدریس کے ذریعہ فہم قرآن کو عام کیا اور علم تفسیر کو رواج دیا اور بعض نے اپنی تصنیفی و تالیفی صلاحیتوں کو علوم قرآن کی نشر و اشاعت میں صرف کیا سب سے اہم یہ کہ معاصر علماء نے اس باب میں جو کارنامے انجام دئے وہ کمیت و کیفیت ہر لحاظ سے قابل قدر و لائق توجہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس علم سے متعلق اس دور کی خدمات کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔

۳۹؎ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار، صد۱۷۳-۱۷۴، سبحۃ المرجان، صد۹۵-۹۶، گلزار ابرار، صد۳۷-۳۸، تذکرہ علمار ہند صد۸۸، نزہتہ الخواطر، الجزء الثالث، صد۱۹-۲۱، ماثر الکرم، آگرہ ۱۹۱۰ء، دفتر اول صد۱۸۸

۴۰؎ اخبار الاخیار، صد۱۶۹-۱۷۰، گلزار ابرار، صد۵۴، تذکرہ علمار ہند، صد۴۶-۴۷، نزہتہ الخواطر، الجزء الثالث صد۵۵۔ اول الذکر دونوں مآخذ خاص طور سے ان کے قرآنی ذوق کی وضاحت کرتے ہیں۔

۴۱؎ اخبار الاخیار، صد۱۷۴-۱۷۵، تذکرہ علمار ہند، صد۴۹-۵۰، نیز شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور ۱۹۵۲ء صد۲۱۶-۲۲۶

۴۲؎ اخبار الاخیار، صد۱۷۶-۱۷۸، گلزار ابرار، صد۱۱۴-۱۱۵، حدائق الحنفیہ، صد۲۶۶-۲۶۷، تذکرہ علمار ہند،

© rasailojaraid.com

ص۸-۱۰۔ نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص۲۴-۲۵ ۔

۴۳۔ غرائب القرآن ورغائب الفرقان المطبوع علی حاشیۃ تفسیر طبری، مطبعہ میمنہ، مصر، ۱۳۲۱ھ الجزء السادس ص۲

۴۴۔ سید مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین ۱۹۴۴ء۔ جلد اول ص۱۴۲ حاشیہ ۱

۴۵۔ اس تفسیر کا مصری مطبوعہ نسخہ اور ایران سے ۱۲۸۰ھ میں چھپے ہوئے نسخے کی دوسری دیسری جلدیں، مولانا آزاد لائبریری کے حبیب گنج کلکشن اور عام عربی ذخیرہ میں بالترتیب موجود ہیں۔ اس تفسیر کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھئے۔ معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، مصر، ۱۹۲۸ء، المجلد الثانی، ص۱۵۲۷، دائرہ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلوپیڈیا) دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۵۹ء جلد ۴، ص۵۳۱ ۔ محمد حسین ذہبی، التفسیر والمفسرون قاہرہ ۱۹۶۱ء ص۳۲۱-۳۲۴

۴۶۔ حاجی خلیفہ چلپی ، کشف الظنون، مطبع معارف، استنبول، ۱۹۴۱ء، المجلد الاول ص۴۸ حدائق الحنفیہ، ص۲۹۰-۲۹۱، ۲۹۴، نواب صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، مطبع صدیقیہ، بھوپال ۱۲۹۵ھ ص۲۱۴، تذکرہ علماء ہند، ص۱۵۱، سید عبد الحئی، الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مطبعہ سعادہ، مصر، ۱۳۲۴ھ ص۱۲۵، ۱۴۹ ۔ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۹۵-۹۶ ۔

۴۷۔ سیر الاولیاء، ص۲۱۵-۲۱۷۔ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۱۳

۴۸۔ سبحۃ المرجان، ص۳۷-۴۷، کشف الظنون، المجلد الثانی، ص۲۰۳۹ حدائق الحنفیہ، ص۲۹۱ تذکرہ علماء ہند ص۵۳ ۔ سید مناظر احسن گیلانی (محولہ بالا، ص۱۲۱) کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس شرح کا ذکر کیا ہے۔

۴۹۔ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۶۱-۱۶۲۔

۵۰۔ تاریخ فیروز شاہی، ص۳۹۲ نزہۃ الخواطر، الجزء الثانی، ص۱۸-۱۹، مہدی حسین، تغلق ڈائنسٹی، نئی دہلی ۱۹۷۶ء، ص۲۷-۲۸ (دیباچہ)

۵۱۔ اخبار الاخیار، ص۱۶۰-۱۶۱، گلزار ابرار، ص۴۷، تذکرہ علماء ہند، ص۲۲۳، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص۳۲-۳۴ ۔ اس تفسیر کا ذکر گلزار ابرار اور تذکرہ علماء ہند میں نہیں ملتا۔

۵۲۔ اردو انسائیکلوپیڈیا، محولا بالا، ص۵۳۲، سید مرتضیٰ حسین "برصغیر میں علماء امامیہ کی تفسیریں" سہ ماہی مجلہ توحید، ایران فروری۔ اپریل ۱۹۸۵ء، ص۱۵۹

۵۳۔ اخبار الاخیار، ص۱۳۹-۱۴۰، مآثر الکرام، ص۱۸۴-۱۸۶، حدائق الحنفیہ، ص۳۰۴، تذکرہ علماء ہند ص۵۸، ۸۸، ۲۲۹، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص۶۳-۶۴ آخر الذکر ماخذ میں انکا پورا نام خواجگی بن محمد الحنفی الدہلوی درج ہے۔ جبکہ سید مرتضیٰ حسین (مجلہ توحید محولہ بالا) نے ان کا نام محمد بن احمد معروف بہ خواجگی شیرازی لکھا ہے۔

.com om

۵۴ سید مرتضیٰ حسین، محولہ بالا، ص ۱۵۹

۵۵ ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے انڈیا آفس کے عربی ذخیرۂ مخطوطات کی فہرست اور کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ کے متعلقہ مخطوطہ کی روشنی میں اس کا نام "تفسیر ملتقط" بتایا ہے (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، مکتبہ جامعہ، ۱۹۷۳ء، ص ۳۰-۳۲ - روضۃ الاولیاء (مولفہ غلام آزاد بلگرامی) کے حوالہ سے سید مناظر احسن گیلانی نے بھی اس کا یہی نام درج کیا ہے (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، محولہ بالا، ص ۱۶۶-۱۶۷)

۵۶ قاضی عبدالمقتدر سے سید گیسو دراز نے کشاف کا درس لیا تھا (نزہۃ الخواطر الجزء الثالث، ص ۱۵۳)

۵۷ اخبار الاخیار، ص ۱۲۷-۱۳۲، تذکرہ علماء ہند، ص ۸۲، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص ۱۵۲-۱۵۴ (سید محمد گیسو دراز کی تصانیف سو سے زائد ذکر کی جاتی ہیں)

۵۸ اخبار الاخیار، ص ۱۷۲، گلزار ابرار، ص ۷۲، سبحۃ المرجان، ص ۹۷-۱۰۰، مآثر الکرام، ص ۱۸۹-۱۹۰ - ابجد العلوم، ص ۸۹۳-۸۹۴، حدائق الحنفیہ، ص ۲۱۷، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص ۱۰۵-۱۰۶ صاحب اخبار الاخیار نے ان کا نام "شیخ علی بیرو" اور مصنف گلزار ابرار نے شیخ علی پُرو لکھا ہے۔

۵۹ عبدالحمید فراہی، دلائل النظام، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر (اعظم گڑھ) ۱۳۸۸ھ ص ۳

۶۰ شیخ علی مہائمی کی تفسیر پر مفصل تبصرہ کے لیے دیکھئے عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، مخدوم علی مہائمی (حیات آثار و افکار)، نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ، بمبئی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۸-۱۴۰ اور ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، محولہ بالا ص ۲۰۲-۲۰۶

۶۱ عہد وسطیٰ کی فارسی تفسیروں کے جائزہ کے لیے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون "عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی فارسی تفسیریں - ایک تعارفی مطالعہ" مجلہ علوم القرآن، علی گڑھ، جلد ۱ شمارہ ۱ ص ۱۲۵-۱۳۵۔

۶۲ اس تفسیر کے قلمی نسخے مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) میں حبیب گنج کلکشن فارسیہ تفسیر ۲/۱۶-۲۱ سبحان اللہ کلکشن ۱۱۲/۲۹۷، ۱/۲ اور یونیورسٹی ضمیمہ ۸ کے تحت ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے مخطوطات انڈیا آفس لائبریری، لندن، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ اور آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں بھی محفوظ ہیں۔

۶۳ گلزار ابرار، ص ۱۳۷، نیز دیکھئے اخبار الاخیار، ص ۱۷۳-۱۷۴، سبحۃ المرجان، ص ۹۵-۹۶، مآثر الکرام ص ۱۸۸-۱۸۹ ابجد العلوم، ص ۸۹۳، تذکرہ علماء ہند، ص ۸۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الثالث، ص ۱۹-۲۱

۶۴ اخبار الاخیار، ص ۱۷۴-۱۷۵، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص ۹۲ ۶۵ تذکرہ علماء ہند، ص ۵۰

۶۶ اخبار الاخیار، ص ۲۰۶، ۲۰۷، نیز دیکھئے گلزار ابرار، ص ۱۱۵، تذکرہ علماء ہند، ص ۱۳۸، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص ۲۲۳-۲۲۴

۶۷ اخبار الاخیار، ص ۱۸۸-۱۸۹، سبحۃ المرجان، ص ۱۰۵، مآثر الکرام، ص ۱۹۲ حدائق الحنفیہ، ص ۳۶۴-۳۶۵ ابجد العلوم، ص ۸۹۴-۸۹۵، نزہۃ الخواطر، الجزء الرابع، ص ۴۱-۴۲

۶۸ اس کا ایک مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری (عبدالحی کلکشن ۲/۸) میں دستیاب ہے۔

© rasailojaraid.com